سید صباح الدین عبدالرحمن

نمونۂ اسلاف

کوثر نیازی

یہ مئی یا جون ۱۹۷۵ء ★ کی بات ہے کہ شورش کاشمیری مرحوم نے مجھے ٹیلی فون کیا :

,,دارالمصنفین اعظم گڑھ کی مطبوعات پاکستان کے بعض ناشرین کتب ان کی اجازت کے بغیر پاکستان میں دھڑا دھڑ چھاپ رہے ہیں، اس صورت حال سے برصغیر کے اِس علمی اور ملّی ادارہ کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ اس کا کچھ تدارک کیجئیے،، ۔

میں نے اُنھیں یقین دلایا کہ میں اِس معاملے کی ضرور تحقیقات کراؤں گا، اور اِس ضمن میں مجھ سے جو کچھ بھی ہو سکے گا میں ان شاءٰ اللہ اُس سے دریغ نہیں کروں گا،

میں نے بغیر کسی تاخیر اور لیت و لعل کے اس معاملے کی تحقیقات کا آغاز کرادیا اور متعلقہ محکموں کو ضروری کارروائی کی ہدایات جاری کر دیں ۔ تحقیقات کا عمل جاری تھا کہ کراچی سے جناب حسام الدین راشدی کا خط ★ موصول ھوا ۔ اتفاق سے اُن کا

★ کوثر نیازی صاحب ان دنوں وفاقی وزیر برائے مذھبی امور تھے۔

★ خط کا عکس مضمون کے آخر میں دے دیا گیا ہے۔

خط بھی اِسی معاملے سے متعلق تھا ۔ اُنھوں نے اپنے خط مورخہ ۴ ۔ جون ۱۹۷۵ء میں لکھا :

,,دارالمصنفین اعظم گڑھ اور اِس ادارے کی علمی خدمات سے جناب والا بخوبی واقف ھیں ۔ سید صباح الدین صاحب کا ایک درد ناک خط آیا ہے جس میں آپ کو بھی دھائی دی ہے ۔ خط کی نقل خدمتِ اقدس میں حاضر ہے . خدا کے لیئے اِس علمی اور دینی کام میں آپ کسی طرح پیش قدمی فرمائیں ۔ باقی حضرات تو اِس علمی ادارے سے واقف بھی نہیں ھیں ۔ مسئلے کی نزاکت کو کیسے سمجھایا جائے!

,, کس زبان را نمی فہمد! ،،

راشدی مرحوم کے اس خط سے پہلے، میرے پاس شورش مرحوم کا فون آ چکا تھا جس کا میں نے سطورِ بالا میں ذکر کیا، شورش مرحوم کے فون اور راشدی مرحوم کے خط کے جواب میں، میں نے ان دونوں حضرات کو (بذریعہ خط) یقین دلایا کہ :

,,دارالمصنفین برصغیر پاک و ھند کے مسلمانوں کا ایک مشترک ورثہ ہے اور میں اس کی مدد کرنا اپنا فریضۂ ایمانی تصور کرتا ھوں،، ۔ (مکتوب بنام جناب حسام الدین راشدی، و شورش کاشمیری)

۹ جولائی ۱۹۷۵ ء ۔

راشدی مرحوم نے مولانا صباح الدین عبدالرحمن کو دارالمصنفین کے معاملے میں میری دلچسپی کی اطلاع دی تو مولانا ستمبر ۱۹۷۵ء میں پاکستان تشریف لے آئے ۔

میں نے وزارتِ مذھبی امور کے جائنٹ سکریٹری زاھد ملک کو ھدایت کی کہ وہ کراچی میں مولانا صباح الدین سے رابطہ قائم کریں (کیوں کہ مولانا پہلے کراچی آئے تھے) اور مولانا سے رابطے اور

ابتدائی گفتگو کے بعد اُن کی ملاقات نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد کے سربراہ یونس سعید صاحب سے کرا دیں تاکہ دارالمصنفین کی تمام مطبوعات نیشنل بک فاؤنڈیشن کے زیر اهتمام چھاپنے کی کوئی صورت پیدا کی جا سکے ۔

هماری دعوت پر مولانا نے کراچی سے اسلام آباد قدم رنجه فرمایا، اور ایک روز مجھ سے ملنے کے لیئے میرے دفتر تشریف لائے ۔ پاجامے اور شیروانی میں ملبوس، سرپر کَھدر کی ٹوپی : اُن کا صاف ستھرا لباس اُن کی نفاست اور ذوقِ لطیف کا آئینه دار تھا ۔ مختصر قد و قامت کے مالک مگر علم و اخلاق کے کوہِ گراں، اسلاف کے عجزوانکسار کی تصویر، اور واضح نقش ۔ ، مولانا کے ساتھ طویل نشست هوئی، دوتین گھنٹے تک باتیں هوتی رهیں، معاملے کے تمام پہلوؤں پر بات هوئی ، اور خوب تفصیل سے هوئی لیکن اس کے علاوہ بھی بہت سی باتیں هوئیں، بہت سے موضوع زیر بحث آئے ۔ اس روز میں نے کئی ملاقاتیوں سے معذرت کی اور اگلے روز کا وقت دے کر اُنھیں رخصت کیا ۔

مولانا صباح الدین عبدالرحمن کو میں نے روایتی علماء سے مختلف ایک وسیع النظر، وسیع المطالعه، اور خوش ذوق انسان پایا ۔ اُن کے مزاج اور شخصیت میں نمایاں بات میں نے یه محسوس کی که بھارت کا شہری هونے کے باوجود اُن کا دل پاکستان کی محبت سے سرشار تھا ۔ پاکستان کے حواله سے کوئی بات کرتے تو ان کے چہرے پر ایسی بشاشت پھیل جاتی جس میں اِس اعتراف کا عکس هوتا که :

مسلمان خواہ پاکستان کا هو یا بھارت کا، اس کی آرزوؤں اور امنگوں کا ترجمان پاکستان هی ہے ۔

گفتگو کے دوران سید سلیمان ندوی مرحوم کا ذکر آیا تو میں نے کراچی میں حضرت علامه سے هونے والی ایک مختصر سی ملاقات کا

ذکر کیا ـ اُس وقت میں نے دیکھا کہ اپنے استادِ محترم کے ذکر پر اُن کی آنکھوں میں آنسو آگئے ـ علامہ کے ذکر پر مولانا کی جو کیفیت ہوئی میں اسے الفاظ کے محدود سانچے میں تو نہیں ڈھال سکتا مگر مجھے ایسا ضرور لگا جیسے علامہ ندوی سے اُن کا تعلق عشق کی حد تک پہنچا ہوا ہو ـ

اردو اور فارسی ادب پر بھی بات ہوئی ـ اُنھیں اردو زبان سے کہیں زیادہ فارسی زبان کے لٹریچر سے آشنا پایا ـ اِس نشست میں اُنھوں نے کئی فارسی شعراء کے بہت سے اشعار بھی سنائے ـ اِس سے پہلے مولانا کی کئی تالیفات میری نظر سے گذر چکی تھیں، اُن کے حوالہ سے میرے ذہن میں ان کی جو تصویر اُبھری تھی، وہ اُس سے بھی کہیں زیادہ دل آویز شخصیت نکلے ـ

دارالمصنفین کی مطبوعات کا مسئلہ اصلاً وزارتِ تعلیم سے متعلق تھا کیوں کہ نیشنل بک فاؤنڈیشن اُسی کے زیر نگرانی کام کرتا ہے ـ میں نے اُس وقت کے وزیر تعلیم جناب عبدالحفیظ پیرزادہ سے سلسلہ جنبانی کی ، ہر چند کہ وہ بہت تعلیم یافتہ اور ذہین آدمی تھے مگر اردو زبان سے زیادہ شناسائی نہ ہونے کی وجہ سے میں نے انھیں دارالمصنفین کے نام اور کام سے بالکل ناواقف پایا، اُن کا کہنا تھا کہ اس سلسلے میں، میں خود وزیراعظم بھٹو مرحوم سے بات کروں . اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس معاملے میں لاکھوں روپے یکمشت دارالمصنفین کو بطور معاوضۂ حقوق ادا کرنے کا مسئلہ درپیش تھا، اور اِس کی منظوری وزیر اعظم ھی دے سکتے تھے ـ

بھٹو مرحوم بھی بنیادی طور پر انگریزی علم و تہذیب کے آدمی تھے ـ مگر بھارتی مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں وہ ہمیشہ فکرمند رہتے تھے، اور اُن کے علمی اور ثقافتی اداروں کے تحفظ کے لیئے اُن کے سینے میں ایک دردمند دل تھا ـ میں نے اُنھیں دارالمصنفین،

علامه شبلی نعمانی، اور مولانا سید سلیمان ندوی کی عظیم علمی و دینی خدمات سے آگاہ کیا اور بتایا که همارے هاں کے بعض ناشرین بلااجازت دارالمصنفین کی کتابیں چھاپ کر اُسے کس طرح نقصان پہنچا رہے هیں ـ اور نیز کس طرح یه اداره بھارتی حکومت کی بےتوجہی، اور بھارتی مسلمانوں کی معاشی اور اقتصادی زبوں حالی کے سبب مالی مشکلات سے دوچار ہے ـ میں نے عرض کیا که همارا فرض بنتا ہے که هم ایک ایسے علمی و دینی ادارے کی مدد کریں جو برصغیر کے مسلمانوں کی مشترک میراث ہے ـ

میں نے وزیر اعظم صاحب کے سامنے تجویز رکھی که : نیشنل بک فاؤنڈیشن، دارالمصنفین کی تمام کتابوں کا حقِ طباعت حاصل کر لے اور اس کے عوض دارالمصنفین کو پندره لاکھ روپیه ادا کر دیئے جائیں ـ اس سے اداره کو مالی بحران سے نکلنے میں مدد ملے گی اور ایک مرتبه وه پھر اپنے پاؤں پر کھڑا هو جائے گا ـ بھٹو صاحب نے اس کی منظوری دے دی اور اس طرح یه مسئله خیروخوبی کے ساتھ انجام پاگیا ـ

میری جانب سے یا حکومتِ پاکستان کی طرف سے یه دارالمصنفین کی ایک معمولی خدمت تھی، اور کم سے کم میں اس پر هرگز نازاں نه تھا، میری دلی خواهش تھی که کاش هم اِس علمی اداره کی اِس سے زیاده خدمت کر سکیں ـ لیکن مولانا نے اِسے بھی بہت قدر و منزلت کی نگاه سے دیکھا اور وه جب تک زنده رہے اِس تعاون کو انھوں نے کبھی فراموش نہیں کیا ـ پاکستان سے واپسی کے بعد اُنھوں نے جب معارف اعظم گڑھ میں اپنی رودادِ سفر لکھی تو اِس واقعه کا ذکر بڑی تفصیل اور ممنونیت کے ساتھ کیا ـ :

,,اس سفر میں حکومتِ پاکستان کی توجه ایک بار پھر وهاں کے بعض ناشروں کی زیادتی کی طرف دلائی جو دارالمصنفین

کی مطبوعـات کو غیرقانونـی طور پر چھـاپ کر اِس کو غیرمعمولی نقصان پہنچا رہے ھیں، اِس کے خلاف ایک اخباری مہم جناب سید حسام الدیـن راشـدی نے چلائـی، اُنھوں نے دارالمصنفین کی فریاد پاکستان کے وزیر مذھبی امور مولانا کوثر نیازی تک پہنچائی جو بڑے لائق، اور فاضل اھل علم ھونے کے ساتھ، بڑے علم نواز اور علم دوست بھی ھیں ـ اُنھوں نے بڑی کشادہ دلی سے اِس مسئلہ کی طرف جناب ذوالفقار علی بھٹو وزیر اعظم پاکستان کی توجہ دلائی ـ جنھوں نے اپنی معارف شناسی اور ھندوستان سے خیرسگالی کی خاطر اس سے اپنی ھمدردی کا اظھار کیا،

مولانا کوثر نیـازی نے پاکستـان کے وزیـر تعلیـم جنـاب عبدالحفیظ پیرزادہ پر بھی اس معاملے کی نوعیت کو اچھی طرح واضح کیا، مولانا ظفراحمد انصاری پاکستان کی قومـی اسمبلی کے آزاد ممبر ھیں، وہ ایوان کے بڑے باوقار، بااحترام، اور قابل اعتبار رکن سمجھے جاتے ھیں ، اُنھوں نے بھی جناب پیرزادہ صاحب سے کئی بار مل کر اِس معاملے کو طے کرانے کی کوشش کی ـ بالآخر جناب پیرزادہ صاحب نے کمالِ عنایت سے اپنی وزارت کو تفصیلات پر غور کرنے کی ھدایت فرمائی "ـ

(معارف ـ اعظم گڑھـ شمارہ اکتوبر ۱۹۷٦ء)

دفتری نظـام مـیں لال فتیے کا کچھـ نہ کچھـ دخل ضرور ھوتا ہے اس کی وجہ سے معاملہ کے پایۂ تکمیل تک پہنچنے میں کچھـ تاخیر ھوئی تو مولانا نے کراچی جا کر مجھے ایک خط لکھا جو اُن کے جذبۂ خورد نوازی کا مظھر ھونے کے ساتھـ ساتھـ اپنے اندر تشویش کی بھی تھوڑی سی جھلک لیئے ھوئے تھا ـ مولانا کا یہ مکتوب میری ناچیز علمی اور ادبی کاوشوں پر اُن کے مشفقانہ تبصرہ سے قطع نظر بجا طور پر ایک ادبی شہ پارہ کا درجہ رکھتا ہے ـ ★

★ خط کا عکس مضمون کے آخر میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے ـ

مولانا سے ملاقات کا دوسرا موقعہ اگلے سال ھی نکل آیا، وزارتِ مذہبی امور نے ملک کے ممتاز دانشور اور صاحبِ دل مفکر جناب حکیم محمد سعید دھلوی چیئرمین ھمدرد وقف کے تعاون سے پاکستان میں پہلی مرتبہ بین الاقوامی سیرت کانگریس کی طرح ڈالی، اس میں عالمِ اسلام کے جلیل القدر علماء کے علاوہ مغربی دنیا کے بہت سے نامور مستشرقین کو بھی دعوت دی گئی ـ اور یہ پہلا موقعہ تھا کہ پروفیسر منٹگمری واٹ جیسے مستشرق پاکستان میں سرکاری پلیٹ فارم سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کر رہے تھے ـ مولانا بھی اس کانگریس میں شمولیت کے لیئے پاکستان تشریف لائے ـ کانگریس کے اجلاس راولپنڈی کے علاوہ، پشاور ، لاھور، اور کراچی میں بھی منعقد ھوئے تھے ـ مجھے بھی شرکاء کے ساتھ ان مقامات پر کچھ وقت گزارنے کا موقعہ ملا ـ ان دنوں مولانا کو اور قریب سے دیکھا، اُنؑ کی روشن خیالی، اور ندرتِ طبع کا تو میں پہلے ھی سے قائل تھا مگر اِن ملاقاتوں میں یہ اندازہ بھی ھوا کہ وہ کتنے مخلص مسلمان، اور کس قدر سچے عاشقِ رسول بھی ھیں ـ اُن کی رِقّتِ قلب کا تو اندازہ مجھے اسی روز ھوگیا تھا جب وہ اپنے مرحوم استاد کے ذکر پر آب دیدہ ھو گئے تھے ـ مگر اب کے ایک نجی نشست میں بعض نعتیہ اشعار سن کر ان کی جو کیفیت ھوئی اس کا نقش اب تک میرے دل پر قائم ہے ـ ,,ماھئیِ برآب ،، کی ترکیب اگر عامیانہ نہ ھوتی تو برتأمل اِس موقعہ پر استعمال کی جا سکتی تھی ـ

اسی اثناء میں یومِ اقبال آ گیا ـ مولانا ، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے زبردست مداح اور معتقد تھے ـ اور یہ حسنِ عقیدت بھی شاید انھیں اپنے مرحوم استاد سے ورثے میں ملا تھا ـ جو لوگ ,,سَیرِ افغانستان،، میں علامہ اقبال اور علامہ ندوی کی باھم دگر ملاقاتوں

کی تفصیل جانتے ھیں، اور جن کی نظر ان کی باھمی مراسلت پر ہے وہ بخوبی جانتے ھوں گے کہ دونوں بزرگ کس درجہ ایک دوسرے سے قربت رکھتے تھے ۔ اور کس طرح علامہ اقبال، علامہ سید سلیمان ندوی سے دینی اشکالات میں رہ نمائی حاصل کرتے تھے ۔ شاید اس نسبت سے مولانا صباح الدین علامہ اقبال کے محض معترف ھی نہیں بلکہ چاھنے والے بھی تھے ۔

اس موقعہ پر پہلی مرتبہ [اور شاید آخری مرتبہ؟] ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد نے یوم اقبال کی تقریب منعقد کی، بطور صدر مجلس مجھے بھی اس میں اظہار خیال کا موقعہ ملا، دوسرے مقررین کے علاوہ مولانا نے بھی اس میں اپنا پر مغز مقالہ پیش کیا ۔

اسلام آباد کمیونٹی سنٹر سامعین سے کھچا کھچ بھرا ھوا تھا، دارالسلطنت کے اھل علم نے بڑے انہماک اور دلچسپی سے یہ مقالہ سنا ۔ مجھے معلوم نہیں کہ ادارہ کے اربابِ بست و کشاد کے پاس اس مقالہ کی کوئی نقل ہے یا نہیں ۔ اور ,,فکرونظر،، میں یہ مقالہ شائع ھوا یا نہیں ۔ ؟ لیکن اگر شائع ھو بھی چکا ھو تب بھی میں سمجھتا ھوں کہ اپریل کے حوالہ سے اس کی دوبارہ اشاعت قندِ مکرر سے کم نہ ھوگی ۔

مارشل لاء لگنے کے بعد بھی مولانا کئی بار پاکستان تشریف لائے ۔ پاکستان اُن کے لئے وطن ثانی کی حیثیت رکھتا تھا، یہاں ان کے اعزہ اور احباب بھی رھتے ھیں ۔ ھر چند کہ میں اُس زمانے میں کسی منصب پر نہ تھا بلکہ کسی حد تک مجھے معتوبین میں بھی شمار کیا جا سکتا تھا مگر مولانا نے اپنی وضعداری نہیں چھوڑی ، اس زمانے میں بھی جب کسی کانفرنس میں شرکت کے لیئے تشریف لائے تو مجھ سے ملنا نہیں بھولے ۔

معارف اعظم گڑھ۔ اگرچہ میرے نام آتا تھا مگر اس کے بہت سے شمارے میرے پاس نہیں تھے جس کے سبب بعض ایسے مقالات نامکمل ہو گئے تھے جو قسط وار شائع ہوتے تھے۔ مولانا سے اس بات کا ذکر کیا تو انھوں نے از راہِ کرم بھارت واپس جا کر وہ تمام شمارے مجھے بھجوائے جو میرے پاس نہیں تھے۔

پاک و ہند کے بہت سے علمی و دینی جرائد میرے پاس آتے ہیں، اور میں حتی المقدور ان کی فائلیں محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہوں مگر بطور خاص مجھے سب سے زیادہ دلچسپی ,,معارف،، سے ہے اس کے شمارے نامکمل ہونے کو میں علمی زیاں سمجھتا ہوں کیوں کہ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ پاک و ہند کے تمام دینی جرائد میں اس وقت معارف سب سے بلند معیار کا حامل ہے۔ اور میں یہ کہنے میں کوئی مبالغہ محسوس نہیں کرتا کہ مولانا صباح الدین کی گونا گوں علمی، ادبی، اور فکری صلاحیتوں کی ایک بڑی شہادت یہ بھی ہے کہ انھوں نے تامرگ معارف کی ادارتی ذمہ داری سنبھالے رکھی اور اس کے اس اعلی معیار میں کوئی فرق نہیں آنے دیا جو ان کے استاد محترم مولانا سید سلیمان ندوی اور بزرگ رفیق مولانا شاہ معین الدین ندوی قائم کر گئے تھے۔

گاھے گاھے کسی موضوع پر مولانا کا کوئی مقالہ بھی معارف میں شائع ہوتا، وہ بھی اھل علم کے لیئے ایک گراں قدر سوغات ہوتی۔ ان کے مقالات کی نمایاں خصوصیت یہ ہوتی کہ نہ ان میں اتنا ایجاز و اختصار ہوتا کہ پڑھنے والے سمجھنے سے قاصر رہ جائیں۔ اور نہ اتنی تطویل ہوتی کہ قاری اکتاھٹ محسوس کرنے لگے اور اسے اپنا مقصد تلاش کرنا دشوار ہو جائے۔

ہر ماہ شذرات کے عنوان سے جو ادارتی نوٹ شائع ہوتے ان میں بھی قارئین کی علمی و فکری رہ نمائی کا خوب سامان ہوتا۔

ایک مرتبہ ان کی آمد کے موقعہ پر میں ملک سے باہر تھا، تب بھی گھر پر تشریف لائے ۔ اور اہلِ خانہ کو یہ پیغام دے کر چلے گئے کہ : ,,سلام اور مخلصانہ دعاؤں کے بعد میری حاضری لگوا دیجیئے گا،، ۔

قحط الرجال کے اِس دور میں مولانا صباح الدین عبدالرحمن جیسے صاحبِ علم، اور صاحبِ دل کا ایک درد ناک حادثے میں دنیا سے اٹھ جانا بھارت کے مسلمانوں کے لیئے تو ایک سانحہ ہے ہی پوری ملتِ اسلامیہ کے لیئے بھی ایک حادثۂ عظیمہ سے کم نہیں ۔
مگر کیا کیا جائے ۔ قدرت کا دستور یہی ہے :

کہاں کہاں دلِ صد چاک اشکِ خوں روئے
دبے ہیں سینکڑوں افلاک اِن زمینوں میں

علی رضا هاؤس ،

٦٠- الحمرا سوسائٹی ،

کراچی ن٥/6

۳/ جون ، ۱۹۷۵ء

بخدمت گرامی جناب محترم مولانا صاحب قبلہ ، السلام علیکم

دارالمصنفین اعظم گڑھ اور اس ادارے کی علمی خدمات سے جناب والا بخوبی واقف ھین۔ سید صباح الدین صاحب کا ایک درد ناک خط آیا ھے جس مین آپ کو بھی دوھائی دی ھے ۔ خط کی نقل خدمت اقدس مین حاضر ھے ، خدا کے لیے اس علمی اور دینی کام مین آپ کسی طرح پیش قدمی فرمائین۔ باقی حضرات تو اس ادارے سے واقف بھی نہین ھین، مسئلے کی نزاکت کو کیسے سمجھایا جائے !

امید ھے کہ آپ بخیریت ھون گے ۔ والسلام

خیر اندیش

(حسام الدین راشدی)

بشرف نظر،

عالی جناب مولانا کوثر نیازی صاحب ،

وزیر برائے امور مذھبی ،

مملکت پاکستان ،

اسلام آباد ۔

دار المصنفین شبلی اکاڈمی
اعظم گڑھ
نمبر ......   تاریخ ......

کراچی
۲۵ رمضان المبارک

مولانائے محترم السلام علیکم

عید الفطر مبارک ہو، مبارک، مبارک

الٰہی از بہ لطف این بزرگ دوران را — بگوشہ نظر التفات خود بنواز
ہزار عید چنین را ہزار و مبارک دار — بخوشدلی و تن آسائی و بہ نعمت و ناز
رخش شگفتہ و طبعش جوان و خاطر شاد — بعیش کن دہ و ملکش فراخ و عمر دراز

یہ اشعار طالب آملی کے ہیں جو اس نے سندھ کے حاکم غازی بیگ ترخان کی خدمت میں عید کے موقع پر ایک قصیدہ میں پیش کئے تھے۔ سندھ کے پایہ تخت کراچی میں بیٹھ کر یہی اشعار آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

یاد ہوگا کہ اسی مہینہ میں آپ نے اسلام آباد میں مجھکو طلب کرکے اپنا مہمان بنایا تھا۔ آپ نے دیر تک ملاقات کا شرف بخشا تھا۔ ایک افطار پارٹی میں مدعو کرکے بلوایا تھا۔ خیال تھا کہ رخصت ہوتے وقت آپ کے الطاف و اکرام کا شکریہ ادا کروں گا۔ لیکن زاہد ملک صاحب نے کراچی میں ملاقات کا وقت رکھا تھا۔ خیال تھا جناب پیرزادہ صاحب کے ساتھ پھر ملاقات ہوگی۔ مگر جناب پیرزادہ صاحب لاہور تشریف لے گئے۔ اس لئے یہ ملاقات نہ ہو سکی۔ بہر حال اسلام آباد میں آپ کی وجہ سے میرے ساتھ جو نوازشیں کی گئیں، اس کا شکریہ صمیم قلب سے آپ کی خدمت میں اس خط کے ذریعہ سے پیش کرتا ہوں۔ قبول فرمائیں۔

آپ نے اپنی تصانیف کا ایک سیٹ بھی عنایت کیا تھا۔ جو میرے اور دار المصنفین کے لئے ایک اچھا تحفہ ہے۔ اپنے خالی اوقات میں ان کو پڑھتا رہتا ہوں۔ اور پڑھتے وقت آپ کی نثری تحریر اور شاعری سے محظوظ ہوتا ہوں۔ آپ کی نثر نگاری میں جو انداز لکھنؤ اور دہلی کے اہل علم کی طرح سلیس، فصیح، بلیغ اور دلنشیں پایا۔ اور اگر یہ لکھوں تو محض ایک حقیقت کا اظہار ہوگا کہ اس میں اب کچھ حالی کی سادگی، نذیر احمد کی برجستگی، اور شبلی کے ایجاز کی پیرکاری کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ آپ کی تصانیف جب اسلام آباد رہتا ہے اور بنیادی حیثیتیں پڑھنا شروع

دارالمصنفین شبلی اکاڈمی

اعظم گڑھ

نمبر...... تاریخ......

...ع کیا، تو پڑھنا چاہا کہ ان میں اسلامی تعلیمات پیش کرنے وقت جذبی خوانی کے ساتھ رجز خوانی
...رنگ آگیا ہے۔ اس سے بہت محظوظ ہوا۔ ان کے اسلوب میں جو للکار، لگار اور جذبہ ہے اس سے بھی
...ا ہوا۔ آپ نے ان دونوں کتابوں میں تحریری ابحار کی بڑی مہارت دکھائی ہے۔ اختصار
...ساتھ بڑی خوبی سے اسلام کے مختلف پہلوؤں اور مرکزی تصورات کو سمجھایا ہے جس سے دنیا اور
...سے متعلق اسلامی تعلیمات کی بڑی وضاحت ہوجاتی ہے۔ آپ نے شہباز حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی
...کا ایک قول کا حوالہ دے کر یہ بتایا ہے کہ دنیا ہاتھ میں رکھنے کی چیز ہے، جیب میں رکھنے کی چیز ہے، قلب
...میں رکھنے کی نہیں، اس کو پڑھ کر دل میں سے اندر ایک تلاطم اور تموج پیدا ہوا اور دعا دی کہ
...گستان کے پرمسرت کی زندگی کا یہی لائحہ عمل ہو۔ آپ نے پاکستان کے مسلمانوں کو یہ پیغام بھی دیا ہے کہ
...اللہ تعالیٰ کی مرضی کے سامنے اپنی مرضی کو، اس کی پسند کے مقابل اپنی پسند کو اور اس کی خواہش
...مقابلے میں اپنی خواہش کو قربان کردیں، امید کہ آپ اس دعوت کو عملی جامہ پہنانے میں پوری طرح مذہب
...سے کام لیجئے، اور اپنے اس مسند کو حقیقت بنتے دیکھئے

ہو حقیقت کو نثر سے الٰہی زندگی کی خلش ہی   جو تم عطوفی اسلام مٹو کر رہ گئی

آپ کے کلام کے مجموعوں زرگل اور برگ گل کو بھی شوق سے پڑھا۔ آپ اپنے انداز سخن کی ابداری
کے رنگ اصغر اور انداز حسرت کہتے ہیں۔ مشق سخن جاری رکھنے سے کیا عجب کہ یہ رنگ اور
انداز پیدا ہو جائے۔ جوش ملیح آبادی آپ کے کلام کی شیرینی، چاشنی اور رسیلاپن کے معترف ہیں جو
ایک بڑی سند ہے۔ خدا کرے اس شیرینی، چاشنی اور رسیلاپن میں برابر اضافہ ہوتا رہے۔ یہ دعا ہے
کہ پاکستان میں اسلام زرگل اور برگ گل بن کر دکھائی دے، اور پورے گل کی طرح مستانہ نواز
ہو، اور اس میں وہی مسرت رانہ اور مخمورانہ کیفیت پیدا ہو جائے، جو آپ کے کلام میں ہے۔ آپ کی
قلبی کیفیت کا اظہار آپ کے اس مصرع سے ہوتا ہے ع

اب عشق ہی زیست کا عنوان جلی ہے

خدا کرے ہمارے پاکستان کی زندگی کی یہی جلی سرخی بن جائے۔ آمین ثم آمین

آپ کو عید کی مبارکباد دینے کی خاطر یہ مراسلہ لکھنے بیٹھا تھا، مگر یہ خط طویل ہوگیا
جس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ آپ کی تصانیف پر معارف میں ان شاء اللہ تفصیلی ریویو ہوگا
جس میں اس خط کے ارجانات کا اظہار ہوگا —

دار المصنفین شبلی اکادمی
اعظم گڈھ

شمار.....	تاریخ.....

آپ نے دارالمصنفین کے جس کام کے لئے اسلام آباد میں رجوع کیا تھا، اس میں زاہد حکیم صاحب کی گفتگو سے بہت زیادہ ترقی ضرور ہوئی ہے، اور وہ یقین دلاتے ہیں کہ یہ معاملہ وزارت تعلیم اور جناب وزیر اعظم صاحب کی سفارش سے ضرور طے ہو جائے گا، اس کے لئے آپ ہی کا شکر گزار ہوں گا، کیونکہ آپ ہی کی دلچسپی اور حسن توجہ کی وجہ سے یہ معاملہ آگے بڑھا، اور یقین کامل ہے کہ آپ ہی کی مخلصانہ امداد کی وجہ سے یہ پایۂ تکمیل کو بھی پہنچ سکے گا، جس کے لئے دارالمصنفین آپ کا بے حد ممنون ہو گا،

دعا ہے کہ آپ کا مزاج گرامی ہر طرح سے بالخیر ہو، عید کی مبارکباد کا تحفہ اس شعر کے ساتھ بھی قبول فرمائیں

دائم شگفتہ باد سرا گلستان عمر
گل برگ ہستی تو نہ بیند خزان عمر

والسلام
احقر

سید صباح الدین عبدالرحمٰن
ناظم دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڈھ
و مدیر معارف

موجودہ پتہ
۹۴-۱ اے ملیر ٹاؤن شپ
کالا بورڈ
کراچی ۳۷